داستانِ امیر حمزہ بہ طور رزمیہ

ڈاکٹر درخشاں لیاقت

اسسٹنٹ پروفیسر اردو

گورنمنٹ کالج برائے خواتین، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالا

DASTAN E AMEER HAMZA AS AN EPIC

Drakhshan Liaqat, PhD
Assistant Professor of Urdu
Govt. Graduate College (W) Satellite Town, Gujranwala

Abstract

Dastan-e-Ameer Hamza is a famous epic which can also be called the psychoanalysis of earlier men and women, ways of thinking and living, Arab mind and civilization, ways of prediction and interpretation of dreams etc. Dastan consists of humans super humans, gigantic creatures, monsters, demons, deities, etc. It describes the eternal tussle between good and evil. The wheel of time is rolling on and on. Most of the characters are flat and bear no change till the end. For modern and complicated mind, though this tale is outdated for being the offspring of the free rein of imagination, it is very interesting and a treasure trove of knowledge in many ways.

Keywords:

رزمیہ، کلاسیکی، داستانِ امیر حمزہ، ایلیڈ، اوڈیسی، شیخ امداد علی، شمس الرحمن فاروقی

داستانِ امیر حمزہ کا شمار رزمیہ میں ہوتا ہے۔ رزمیہ ایک ایسی طویل بیانیہ نظم ہوتی ہے، جس میں ہیرو کے غیر معمولی کارنامے بیان کیے جاتے ہیں۔ رزمیہ زبانی اور تحریری دونوں صورتوں میں ملتی ہے۔ ہومر (ق م ۹۲۸ Homer) کی **ایلیڈ** اور **اوڈیسی** زبانی رزمیوں کی ابتدائی ترین مثالیں ہیں۔ تحریری صورت میں قدیم ترین رزمیہ کی غیر معمولی مثال لاطینی زبان میں ورجل (ق م ۱۹۔Virgil) کی Aeneid ہے جس میں کئی حوالوں سے ہومر کے رزمیوں سے اِستفادہ کیا گیا ہے۔ انگریزی میں جان ملٹن (۱۶۰۸۔۱۶۷۴ءJohn Milton) کی **گم گشتہ جنت** ایڈمنڈ سپنسر (۱۵۵۲۔۱۵۹۹ء Edmund Spenser) کی **فیری کوئین**، اور والمیکی (Valmiki) کی **رامائن** رزمیہ کی عمدہ مثالیں ہیں۔ گلگامش (Gilgamesh) کی رزمیہ کا شمار بھی عمدہ رزمیوں میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ دیگر اصناف میں بھی رزمیہ کے خصائص ہو سکتے ہیں مثلاً میلول کا ناول **موبی ڈک**، ٹالسٹائی (۱۸۲۸۔۱۹۱۰ء Tolstoy) کا **امن اور جنگ**، جوائس کا **یولی سس** وغیرہ۔ ہنری فیلڈنگ (۱۷۰۷۔۱۷۵۴ءHenry Fielding) نے اپنے ناول **Joseph Andrews** کو نثر میں مزاحیہ رزمیہ نظم Comic epic poem in prose کہا ہے۔ Mock epics اور Psedu Hoeric ایپک کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

Michael Meyer نے ایپک کی تعریف یوں کی ہے۔

> An epic "is a lengthy narrative poem, ordinarily concerning a serious subject, containing details of heroic deeds and events significant to a culture or nation"(1)

رزمیہ کو عموماً تین بڑے درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ کلاسیکی رزمیہ: جو **ایلیڈ** اور **اوڈیسی** کی طرح درمیان سے شروع ہوتی ہے (in Medias res)، وسیع منظر نامہ ہوتا (Catalog Passages) اور کسی دیوی، دیوتا سے مشکل کام کی انجام دہی میں مدد طلب (Invocation of the muse) کی جاتی ہے۔

۲۔ رزمیہ کی دوسری قسم ادبی رزمیہ ہے جس میں مندرجہ بالا خصائص دوسری قسم کے مواد پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال ملٹن کی **گم گشتہ جنت** ہے۔

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۱، مسلسل شمارہ: ۳۶۳، سال ۲۰۲۲ء

۳۔ رزمیہ کی تیسری قسم Beowulf کی نظم جیسی ہے جس میں کسی قوم یا لوگوں کے عقائد و روایات بیان کیے جاتے ہیں۔ اسے لوک رزمیہ یا "نیشنل ایپک" کہا جاتا ہے۔

داستانِ امیر حمزہ میں تینوں اقسام کے رزمیوں کے خصائص کم و بیش پائے جاتے ہیں اور بعض خصائص سے انحراف بھی ملتا ہے مثلاً پہلی صورت تو یہی ہے کہ یہ داستان درمیان سے شروع نہیں ہوتی، بل کہ مرکزی کردار امیر حمزہ سے بھی قبل کے واقعات، بزرجمہر کی پیدائش، دلآرام کے نکالے جانے اور سرفراز ہونے سے داستان کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ واقعات بالواسطہ تو آگے چل کر امیر حمزہ سے تعلق اِستوار کرتے ہیں، لیکن ابتداً اِن کا خاص ربط نہیں اور بہ ذاتِ خود مکمل اور دل چسپ ہیں۔ اِسی طرح یورپی کلاسیکی ادب میں رزمیے کے آغاز میں عظیم ہیرو کی کہانی کے بیان میں دیوتاؤں سے دُعا مانگی جاتی ہے۔ **داستانِ امیر حمزہ** کے مترجم نے اِس داستان کے موجدوں کی کسی دُعا کا ذِکر تو نہیں کیا البتہ داستان کے اختتام پر اپنے لیے یہ دُعا مانگی ہے۔

> بحقِ شہادتِ دندانِ مبارک محمد ﷺ و بہ تصدقِ زخم پائے مبارک و نماز و نیازِ علی ابن ابی طالبؓ، اِس مترجم و محرر کی عاقبت بخیر و دُنیا میں کسی کا محتاج نہ کر کے اپنے خزانۂ غیب سے حسبِ دلخواہ سرفراز کر اور راست و دروغ اِس قصے کا راویانِ موجد سے متعلق کر۔ فقط (۲)

تیسری بات یہ کہ رزمیہ نظم کی ہیئت میں ملتی ہے، جس کے لیے Dactylic Hxameter استعمال ہوتا ہے۔ **ایلیڈ**، **اوڈیسی** اور **Aeneid** میں اِسی بحر کو برتا گیا۔ ملٹن کی **پیراڈائز لاسٹ** میں نظم معریٰ اور اسپنسر کی **فیری کوئین** میں Spensarian Stanza کا اِستعمال ملتا ہے Heroic Couplet کو بھی رزمیہ کے لیے موزوں خیال کیا گیا۔ نواب مرزا امان علی خاں غالب لکھنوی کی تالیف کردہ **داستانِ امیر حمزہ** میں نثر میں ارادتاً سادگی کو اپنایا گیا ہے۔ جیسا کہ غالب لکھنوی دیباچے میں لکھتے ہیں "میر عزت علی اِس داستان کا زبانِ اُردو میں "ترجمہ" کر کے چھپوانے کے خواہش مند تھے اور شیخ امداد علی نے اُنھیں ہدایت کی کہ "ترجمے" میں صاف صاف روزمرہ اُردو کا لکھا جائے کہ خاص و عوام کو پسند آئے۔"

چناں چہ ایک تو نظم کی بہ جائے نثر کو اپنایا گیا۔ دوسرا صفائی و سادگی کو مطمحِ نظر ٹھہرایا گیا۔ سادگی وصفائی کے باوصف رزمیہ کے پر زور بیانیہ(Grand Style) کی مناسبت سے لہجے کی بلند آہنگی موجود ہے۔ درج ذیل کا اقتباس دیکھیے۔

’’صاحبِ قراں اس گرز کے روکنے میں بھی سدِ سکندری کی طرح قائم رہے، لیکن چھٹی کے دودھ نے لب خشک کو تر کر دیا۔ لندھور نے تیسری دفعہ پھر اِس گرز کو اِس زور سے صاحبِ قراں کے سر پر مارا کہ اگر کوہِ بے ستون پر مارتا تو پانی ابل آتا...... لندھور کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ مارا اور پست کیا۔۔۔ امیر نے کہا کہ اے خسرو ہندوستان، کس کو مارا اور کس کو پست کیا؟ میں تیری اجل موجود ہوں۔‘‘

درج بالا اقتباس میں تلمیحات (سدِ سکندری، کوہِ بے ستوں) اور محاوروں (چھٹی کا دودھ) کے اِستعمال کے علاوہ الفاظ میں جوش و دبدبہ ہے۔ رزمیہ کی مشہور و معروف مثالوں میں بیانیے کے ساتھ تقاریر کا حصہ حاوی ہوتا ہے اس لیے کلاسیکی عالم Alsini Lesky کے مطابق:

> Speeches make up so much of epic poems that Plato called epic poetry a mixture of drama and narrative literature"(3)

شمس الرحمن فاروقی (۱۹۳۵۔ ۲۰۲۰ء) داستان کو بیانیہ قرار دیتے ہیں اور بیانیہ سے ان کی مراد "وہ تصورات ہیں جن پر ہم کسی نظام فکر یا نظام عمل کو قائم کرتے ہیں۔" فاروقی صاحب داستان کو افسانہ ناول سے مختلف بیانیہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق "داستان اپنی فطرت کے اعتبار سے زبانی بیانیہ ہے (زبانی فکشن نہیں، اگر فکشن زبانی بھی ہوتا ہو) اس کی ایک خاص صفت "تکرار" ہے اس کی دوسری صفت "افزائدگی" ہے یعنی داستان بڑھتی رہتی ہے اس کی تیسری صفت "ہمیشگی" ہے یعنی اس میں واقعات اور کردار آتے جاتے رہتے ہیں لیکن اس کا کوئی نقطعہ انقطاع نہیں ہوتا ہے اس کا اختتام ہو بھی جائے تو بھی اسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے جو واقعات ہم سنا رہے ہیں وہ داستان کے ختم ہونے سے پہلے پیش آئے تھے لیکن بیان اب ہو رہے ہیں۔"(۴)

داستان امیر حمزہ میں تقاریر نہیں ملتیں۔ اِس کے باوجود بیانیے میں تقریر کا انداز و لطف ہے۔ اوپر دیے گئے اقتباس میں یہ خاصیت ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ کتاب کا تقریباً تین تہائی سے زیادہ حصہ

جنگ وجدل کا بیان ہے، خواہ وہ انسانوں سے ہو یا دیو اور جن سے۔ لہٰذا بیانیے میں تقریر کا انداز اور لہجے کی بلند آہنگی اور تشبیہِ استعارہ و تراکیب کا بہ کثرت استعمال عام ہے۔

مثلاً سورج اور چاند کے طلوع و غروب سے متعلق تشبیہات و استعارے دیکھیے:

۱۔ جب شاہِ خاور تختِ فلک پر جلوہ افروز ہوا، نعمان اپنے لشکر کو لے کر میدان میں نکلا۔(۵)

۲۔ دوسرے دِن جو خوان سالارِ قدرت نے قرصِ خورشید کو گرما گرم تنورِ فلک سے نکالا۔(۶)

۳۔ جب بربطِ زرینِ آفتاب پر غلافِ غروب چڑھا اور دفِ سیمین ماہ بزم افروز ہوا۔ اِس وقت ساقیانِ ماہِ رخسار، ساغرِ جواہر نگار و صراحیانِ بادۂ گلنار لے کر محفل میں حاضر ہوئے۔(۷)

دیگر مثالیں بھی جا بہ جا موجود ہیں۔

۱۔ امیر نے ایسی آہِ سوزناک کھینچی کہ اگر آسمانیاں آئنہ آفتاب پر غلاف ابر نہ چڑھاتے تو اِس کے دھویں سے سیاہ ہو جاتا۔(۸)

۲۔ حریف کو ''مانند خیارِ تر دو ٹکڑے کیا'' کی تشبیہ بھی تکرار سے آتی ہے۔ تراکیب میں ''صندوق سینہء ہشام''، ''بابائے دوندگان عالم'' کے علاوہ امیر حمزہ کے بیان میں لمبے چوڑے القابات ملتے ہیں۔ مثلاً قیماز شاہ کو لکھے گئے نامے میں درج ہے:

> ''یہ نامہ شاہِ مرداں، تاج بخش شاہاں، حلقہ غلامی فگن در گوشِ گردن کشاں، درندۂ اژدہائے آتش بار، صید کنندہ شیرانِ خونخوار، شکنندۂ طلسمات، کشندۂ دیوانِ قاف و ظلمات، پہلوانِ جہاں صاحب قرآنِ زماں، زلازل قاف، کوچک سلیمان، ابوالعلا امیر حمزہ بن عبدالمطلب سردارِ عربستان کا ہے۔''(۹)

لہجے میں بلند آہنگی اور الفاظ میں شان و شکوہ کے لیے منظر نامہ میں وسعت کے ساتھ عظیم کارنامے کی مناسبت سے عظمت و جلال کا اِحساس اُبھرتا ہے۔ مثلاً امیر کا والیِ خاور قیماز شاہ کو مسلمان کرنے کے بعد کیومرث اور نوشیرواں سے جنگ کے لیے روانگی کا منظر یوں ہے:

> ''ایک گرد تیرہ تیرہ خیرہ خیرہ اُٹھی ہر گاہ گرد کے گریبان کو مقراض باد نے چاک کیا۔ نشان معدی کرب کا نمودار ہوا۔ نشان کے نیچے دیکھا کہ ایک جوان بڑا ہی

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۱، مسلسل شمارہ: ۳۶۳، سال ۲۰۲۲ء

> طویل القامت و قوی الجثہ، گھوڑے پر سوار ہے اور پینتالیس پہلوان اِس کے گھوڑے کے گرد ہیں اور پیچھے اِس کے چودہ ہزار سوار زرہ پوش ہیں......"(۱۰)

اِسی طرح پیچھے آنے والے ہر ہر شخص کا طویل بیان ہے۔

رزمیے کا منظر نامہ وسیع ہوتا ہے جس میں ہیرو نے اِس زمین کے علاوہ دوسرے عالموں مثلاً تہہ زمین(Underground)وغیرہ جا کر اپنی بڑائی ثابت کرنی ہوتی ہے۔ امیر حمزہ بھی زمین پر پہلوانوں، بادشاہوں، عیاروں سے جنگ کرنے کے علاوہ اٹھارہ سال قاف میں قیام پذیر رہے اور تمام باغی جنوں دیووں کا قلع قمع کر کے شہپال شاہ کی بادشاہت دوبارہ قائم کروائی۔

زمین اور زمین سے پرے اِن غیر معمولی کارناموں کو انجام دینے کے لیے ہیرو کو بھی عام اِنسانی سطح سے بلند ہونا چاہیے۔اس کے لیے رزمیہ نگار جو اہتمام کرتے ہیں وہ طریقے عموماً آرکی ٹائپس ہی کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ مثلاً رزمیہ کا ہیرو عموماً کسی عورت اور دیوتا کے ملاپ کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی پیدائش کے ساتھ ساتھ نشو و نما کے واقعات بھی غیر معمولی ہوتے ہیں اور وہ نو عمری میں ہی اژدھوں، عفریتوں سے مقابلہ کرتا، کسی حسین و جمیل لڑکی کو بچاتا،اُس سے شادی کرتا اور عجیب و غریب پیدائش کی طرح جوانی میں ہی حیران کن موت سے دوچار ہوتا ہے۔

داستان امیر حمزہ میں بھی امیر کی پیدائش تو اِسلامی طریقے کے مطابق ہے کہ ہمارے عقائد میں صنم پرستی نہ ہونے کی بہ دولت دیوی، دیوتا کا وجود نہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے سوا پیدائش کا غیر معمولی واقعہ نہیں ملتا۔ جنوں، دیووں کا ہمارے مذہب میں تصور ہے، اس لیے اِن سے لڑائی اور امیر کی فتح ہمارے عقائد کے عین مطابق ہے۔ لیکن امیر کو غیر معمولی اِنسان ثابت کرنے کے لیے راویانِ داستان نے امیر کو پیدائش کے چھ دِن بعد قاف لائے جانے کا واقعہ تخلیق کیا ہے۔

> قاف میں "ہنوز بادشاہ جشن میں تھا کہ پری زادوں نے حمزہ کا گہوارہ لا کر تخت کے آگے رکھ دیا۔ جتنے ناظرین تھے اِس کا حسن و جمال دیکھ کر بہ صورت تصویر حیرت زدہ رہ گئے۔ بادشاہ نے امیر کو گہوارے سے اپنی گود میں لے کر پیشانی پر بوسہ اور سرمہ سلیمانی منگوا کر آنکھوں میں دیا اور دیو، پری، جن، غول، شیر، پلنگ کا دودھ سات روز تک پلوایا۔"(۱۱)

رزمیے کے ہیرو کو عام اِنسانی سطح سے بلند کرنے کے لیےاِس قسم کے واقعات کی تخلیق کے علاوہ رزمیہ نگار اپنی مذہبی و ثقافتی روایات و اقدار اور عقائد کے مطابق مافوق الفطرت ہستیوں، معجزات، جنوں، دیوتاؤں وغیرہ کو بھی استعمال میں لاتا ہے۔ یونان، بھارت اور دیگر مذاہب میں جہاں صنم پرستی کا رواج ہے اُن کے قصے، کہانیوں (myths) وغیرہ میں دیوی، دیوتا چمتکار کرنے آموجود ہوں گے۔ مسلم دُنیا میں ہیرو، عرب زادہ ہونے کے باعث اِن دیوتاؤں کی گنجائش نہیں۔ لیکن ہمارے عقائد میں جہاں دیو، جن و پری پر اعتبار ہے وہاں حضرت خضرؑ کے متعلق بھی یہ روایت مشہور ہے کہ وہ جنگلوں، بیابانوں میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو رستہ دِکھانے سبز چوغے میں آموجود ہوتے ہیں، آبی طوفانوں میں حضرت الیاسؑ مشکل کشائی کرتے ہیں۔ خواب میں حضرت ابراہیمؑ بشارت دیتے ہیں وغیرہ۔ اِس کے علاوہ معجزات پر ہمارا ایمان ہے۔ چناں چہ اِس داستان میں جہاں امیر اپنی جسمانی طاقت سے کسی مشکل پر قابو پانے، کسی طلسم کو فتح کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہاں یہ متبرک ہستیاں مشکل کشائی کرتی ہیں۔

تقدیر پر ایمان اور موت کا اٹل ماننا بھی ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ رزمیہ نگار جو کچھ بھی پیش کرتا ہے وہ اس کی قوم و نسل کے عقائد کے مطابق ہوتا ہے۔ چناں چہ امیر حمزہ اپنی موت کے بارے میں پیشگی یہ سن کر، "کہ جب اشقر دیو زادے کے چاروں نعل کٹ جائیں گے، تب تمھاری موت واقع ہو گی"، گلگامش کی طرح غیر فانی ہونے کی خواہش نہیں کرتے۔ امیر حمزہ کو چوں کہ حضور ﷺ کے چچا بتایا گیا ہے اس لیے اُن کی شہادت کے واقعے کو اصل تاریخی واقعہ سے ملا دیا گیا ہے اور اُن کے شہید ہونے کی وجہ بھی اختراعی یا حقیقی بیان کی ہے۔

داستان کے تخلیق کرنے والوں نے اپنے اسپ تخیل کو سرپٹ دوڑانے کے ساتھ یہ التزام بھی کیا ہے کہ عوام و خواص کے عقائد اور قوم کی روایات کے خلاف کچھ پیش نہ کیا جائے۔ رزمیہ کا مقصد جہاں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ لوگوں میں Heroic Spirit بیدار کی جائے، اسلاف کے کارناموں کو نہ صرف زندہ رکھا جائے بل کہ دوسرے لوگوں کو بھی تحریک دی جائے، وہاں رزمیہ روایات و اقدار کو محفوظ کرنے کے ساتھ لوگوں کو ان روایات کو تعلیم دینے کا ذریعہ بھی رہی ہے۔

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۱، مسلسل شمارہ ۳۶۳، سال ۲۰۲۲ء

بزر جمہر قباد بادشاہ کو بختک کے قتل کرنے سے یہ کہہ کر باز رکھتا ہے کہ قبل از جرم، جرم وقوع ہونے کے اندیشے سے کسی کو مارنا، کسی مذہب میں جائز نہیں۔ نوشیرواں بختک کی سیاہ قلبی کی بہ دولت داستان کے خاتمے تک حمزہ سے بدی کرنے سے باز نہیں آتا لیکن حمزہ نیکی سے ہاتھ نہیں کھینچتا اوراس کی سرکوبی کے لیے آخری دم تک کوشاں رہتا ہے۔

داستان میں استعمال کیے گئے اعداد بھی ہمارے عقائد کے مطابق ہیں۔ مثلاً چالیس کا عدد، چالیس دِن تک کسی کام کا کرنا نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔ داستان میں بزرجمہر نے قباد سے نوشیرواں کو چالیس دِن تک اپنی قید میں رکھنے کی درخواست کی۔ امیر عموماً ہر خوشی کے موقع پر چالیس دِن تک جشن کرتے تھے۔ نوشیرواں کے تخت کو چالیس قدم اُٹھا کر لائے۔ اِسی طرح امیر حمزہ کا قاف میں اٹھارہ سال تک قیام رہا۔ حضرت ایوبؑ کی طرح امیر حمزہ کی آزمائش بھی اٹھارہ سال بعد ختم ہوئی۔

داستان کا ہیرو امیر حمزہ عرب زادہ ہے۔ اسلام کے تصورِ عورت کے برعکس عربوں میں زمانہ جاہلیت سے عورت سے متعلق جو تصورات تھے، اُن کی جھلکیاں اِس داستان میں ملتی ہیں۔ امیر حمزہ اخلاق و مروت و بہادری ہر اعتبار سے قابل مثل ہونے کے باوجود اپنی قوم کی سوچ سے نجات نہیں پاسکا۔ چناں چہ آسمان پری کے ہاں بیٹی قریشہ پیدا ہونے پر ناخوش ہوا۔ لیکن جب اُس کا طالع دیکھنے والے نے بتایا کیا کہ یہ لڑکی بہت خوش بخت ہے اور قاف کے اٹھارہ پردوں پر حکومت کرے گی تو خوش ہو گیا۔ یعنی عورت کو کم زور اور اپنے لیے باعث شرم اور کم تر و بے حقیقت جاننا عرب قوم کی روایات کا حصہ ہے۔ عورت پر ہاتھ اُٹھانا مردانگی سے بعید ہے۔ لیکن عورتوں کو فریب دینا اور اُن سے کیے گئے قول و پیمان کی پابندی نہ کرنا ہی مردانگی ہے۔ مثلاً جب امیر حمزہ شاہ یونان کی بیٹی ناہید مریم سے اِس لیے عقد نہیں کرنا چاہتے کہ وہ مہر نگار کو قول دے چکے ہیں کہ جب تک اُس سے شادی نہیں ہو جاتی وہ کسی عورت کو خواہ وہ خورشید منظر ہو، آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھیں گے۔ عمر و امیر کو عہد ایفا نہ کرنے پر یوں اُکساتا ہے:

> ”اے صاحبِ قراں، خیر ہے؟ کہیں مرد بھی ایسے امور میں راست گو ہوتے ہیں؟ عورتوں سے اِس سے زیادہ قول و اقرار کر کے خلاف کرتے ہیں اور پھر وہ شخص کہ صاحبِ قراں ہو، فقط مہر نگار پر ناڑا بندھ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے قول عشاق اور کلام تماش بینوں کا نہیں سنا: سو بار توبہ کیجیے، سو بار توڑیے۔“(۱۲)

مہر نگار اور بیٹے قباد کی وفات پر امیر حمزہ جب مہر نگار کی قبر کے مجاور بن جاتے ہیں تو حضرت ابراہیمؑ کا خواب میں آکر کہنا:

''اے فرزند ایک عورت کے واسطے حال زبوں کرنا دانائی سے بہت بعید ہے۔ اگر تو زندہ ہے تو اس سی ہزاروں ملیں گی۔'' (۱۳)

یہ الفاظ بھی اِس معاشرے کی ذہنیت کو پیش کرتے ہیں جہاں عورت اِنسان نہیں محض وقتی لطف و نشاط کا ذریعہ ہے، جس سے قائم کردہ کسی تعلق، قول واقرار کی اہمیت نہیں۔ ہر منزل پر کوئی نہ کوئی عورت اُن کے دِل کو بھا جاتی ہے اور اُس سے نشاط کی چند گھڑیاں سمیٹ کر وہ کسی نئی مہم پر گام زن ہو جاتے ہیں۔ دوبارہ اُس عورت سے تعلق کا خیال اُن کے ذہن و دل میں کبھی جگہ نہیں پاتا۔ امیر حمزہ بھی مہر نگار سے اوّلین محبت کے تحت کچھ دیر جذباتی وابستگی دکھاتے ہیں اور پھر ہر گام کسی نئی عورت سے وصل یاب ہوتے ہیں۔

عورتوں کی صرف ایک خاصیت دکھائی گئی ہے کہ وہ حسن و جمال کا مرقع ہیں۔ ہر عورت کا حسن ماہ و خورشید کو شرماتا ہے۔ حسن و جمال کا مرقع یہ تمام عورتیں امیر حمزہ اور اِن جیسے دوسرے بہادر پہلوانوں، جنگ جوؤں پر ایک نظر میں عاشق ہو جاتی ہیں۔ زمین پر اور زمین سے پرے ہر بادشاہ اپنی بیٹی کا عقد امیر حمزہ سے کرنا چاہتا ہے۔ آسمان پری کی صورت میں عورت کے حسد، ملکہ مہر انگیز کی شکل میں عورت کی سمجھ داری اور نوشیرواں کی جوان سال بیوی کے روپ میں عورت کی بے وفائی کو بھی پیش کیا ہے۔ عورتیں طاقت پر فریفتہ ہیں اور ہمائے تاج دار کی طرح جواں مردی کا امتحان چاہتی ہیں جس طرح حاتم طائی کی کہانیوں میں شہزادیاں کسی سوال کے جواب کی تلاش کو ضروری ٹھہراتی تھیں۔ لیکن حاتم طائی سے قبل کی عورت کو محض جسم تک محدود رکھا گیا۔

داستان کے مرد عورت کے حسن و جمال پر وقتی فریفتہ ہونے کے علاوہ جس چیز پر جان دیتے ہیں، وہ نام و نشان ہے، معاشرے میں عزت و وقار ہے۔ جیسا کہ عمرو عیار امیر حمزہ کے مہر نگار سے شادی کو التوا میں ڈالنے سے متعلق کہتا ہے:

''آپ صفِ جنگ پر عاشق ہیں، مہر نگار کا عشق کہنے سننے کے واسطے ہے۔'' (۱۴)

عورت اور مرد کی پیش کردہ یہ تصویریں داستان کے راویوں کی خواہش کا نتیجہ ہیں کہ وہ عورت میں حسن و جمال کے خواہش مند ہیں اور ہر عورت کو خود پر فدا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہیرو امیر حمزہ کی شکل میں خود کو ناقابلِ تسخیر دیکھنا چاہتے ہیں کہ زندگی کے خاتمے پر موت بھی اُنھیں شکست نہ دے پائے۔

جذبات و احساسات کے بیان سے بڑھ کر یہ محض جنگ و جدل کا بیان ہے جہاں مرد طاقت ہی طاقت اور عورتیں حسن کا نمونہ ہیں۔ جنگ و جدل کے اِس رنگ کو کم کرنے کے لیے عمرو عیار کی عیاریوں کو بھی شامل کیا گیا ہے اور کچھ حصہ قاف کے طلسم اور عشق و محبت کے واقعات پر بھی مشتمل ہے۔

مولفِ داستان، مرزا امان علی خاں غالب لکھنوی نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ''بہ سبب اِس کے کہ داستان میں چار چیزیں ہیں:

> ''رزم، بزم، طلسم، عیاری، اِس واسطے مترجم نے فارسی کی چودہ جلدوں کا ترجمہ کر کے چار جلدیں کیں۔''(۱۵)

اِن مذکورہ بالا چیزوں میں رزم اور پھر عیاری غالب ہے۔ طلسم اور بزم کا حصہ خاصا کم ہے۔ اِن دونوں میں سے بھی بزم محدود تر ہے۔ مثلاً جہاں آسمان پری سے امیر حمزہ کی شادی کا بیان ہے وہاں سات آٹھ سطروں کے بعد شادی کی آرائش و زیبائش اور تیاریوں کو مولف یوں سمیٹتا ہے:

> ''چوں کہ طوالت کتاب کی منظور نہیں، اس واسطے بارات کے بیان کو قصہ خواں کے حوالے کیا، ضروری چند فقرے لکھے گئے۔''(۱۶)

البتہ ابتدائی حصے ''داستان مدعو ہونا بادشاہ کا القش کے باغ بیدار میں'' میں باغ کی تیاری اور خوب صورتی کو تفصیلاً بیان کیا ہے، جو تین صفحات پر محیط ہے۔ مولف نے جو فارسی کی چودہ جلدوں کو چار جلدوں (چار دفاتر) تک محدود کیا تو غالباً انھی تفصیلات کو محدود کیا اور طوالت کی بہ نسبت اختصار کو اپنایا لیکن تمام واقعات کے بیان کو ضروری ٹھہرایا۔ کتاب میں واقعات کی کثرت ہے اور داستان کے مزاج کی مناسبت سے طول بیانی بھی ہے لیکن ایجاز کا رنگ غالب ہے۔ شروع کے حصے میں واقعات میں تنوع زیادہ اور دل چسپی گہری ہے۔ بعد کے واقعات میں امیر حمزہ کی لڑائیوں اور عمرو عیار کی عیاریوں میں یکسانیت آتی جاتی ہے۔ امیر حمزہ ہر دیو و جن پر فاتح اور بڑے سے بڑے پہلوان کا لنگر اُٹھا کر اُسے زمین سے لگا دیتے ہیں۔ عمرو عیار، امیر حمزہ کے قاف میں اٹھارہ سال قیام کے دوران مہر نگار کی حفاظت میں قلعہ پر

قلعہ فتح کرتا جاتا ہے۔ ہر جگہ بھیس بدل کر حالات معلوم کر لیتا ہے۔ اکثر قلعے کے حاکم خواب میں حضرت ابراہیمؑ کو دیکھ کر مسلمان ہوتے اور عمرو کی اطاعت پر بہ صدِ دل و جان تیار ہوتے، بعض کو بے ہوشی کا دارو پلا کر کشتہ باندھ لیتا۔

Comic relief کا ایک بڑا ذریعہ عمرو عیار کے علاوہ عادی کرب بھی ہے جس کی بے وقوفانہ حرکات اور بھوک (جوع البقر) سے مزاح پیدا کیا گیا ہے۔ جب حمزہ عادی کو زیر کر لیتا ہے تو عادی خود کو حمزہ کے ساتھ رکھنے کے لیے اِس طرح استدعا کرتا ہے:

> ''حمزہ، ایسا تو میں بڑپیٹا ہی نہیں ہوں کہ مجھ کو کھانا نہ دے سکے گا۔ مجھ کو کس واسطے یہاں چھوڑے جاتا ہے؟ ہزار من غلہ اگر میرے واسطے مقرر کر دے گا تو اس میں اپنی اوقات بسر کر لوں گا۔ دو وقت نہ کھاؤں گا۔ ایک ہی وقت کھاؤں گا۔ عمرو بولا کہ ماشاءاللہ، نفس الامر میں عادی کرب کی کچھ بھوک نہیں۔ بھلا ایسے کم غذا سے کون منہ موڑے گا۔''(۱۷)

داستان میں اکثر مقامات پر واقعات میں عریانی اور بے باکی کا عنصر بھی ملتا ہے۔

داستان میں طوالت کے سبب اور واقعات کی کثرت کے باعث ایک غلطی بھی در آئی ہے۔ مثلاً خواجہ نہال کو ص ۲۳۹ پر عمرو گڑھا کھود کر زندہ گاڑ دیتا ہے اور عنوان میں بھی درج ہے ''روانہ ہونا خواجہ نہال کا مہر نگار لانے کے لیے مکہ کی طرف اور مرنا عمرو کے ہاتھ سے'' بعد کے صفحات میں نہال کے کسی طرح زندہ بچ جانے کا ذِکر بھی نہیں کیا اور صفحہ ۳۵۴ پر یہی خواجہ نہال، جس کے بارے میں پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ اُس نے مہر نگار کو گودوں کھلایا تھا، مہر نگار کو بادشاہ کی قید سے آزاد کرواتا ہے۔

رزمیہ کی بڑی خصوصیات میں سے ایک خاصیت Praepositio ہے جس میں رزمیہ نگار اپنا مقصد و وجہ بیان کرتا ہے کہ وہ یہ رزمیہ کیوں تحریر کر رہا ہے۔ جیسا کہ جان ملٹن **گم گشتہ جنت** میں لکھتا ہے: "To justify the ways of God to men"

مولف اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے:

''داستانِ میر مقال نے وجہ تصنیف اِس قصے کی یہ تحریر کی ہے کہ اِس کے سننے سے ہر طرح کی خلقت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور منصوبہ لڑائی اور قلعہ ستانی و ملک گیری کا خیال میں آتا ہے۔اِس لیے ہمیشہ بادشاہ کو سناتے تھے۔واللہ اعلم بالصواب۔''(۱۸)

چناں چہ کتاب کے بڑے حصے ''رزم'' میں دکھایا گیا ہے کہ بادشاہ کس طرح دوسرے بادشاہوں کی اعانت حاصل کرتے ہیں۔سرکشی کو کیسے دباتے ہیں۔اہل ہنر و قابل جوہر کی کس طرح قدر دانی کرتے ہیں اور بختک جیسے وزیروں کے مشورے کس طرح باعثِ ذلالت ہوتے ہیں۔بادشاہ اپنی نیک نامی کو کس حد تک عزیز رکھتے ہیں اور صف جنگ میں کیا حکمت عملیاں اختیار کرتے ہیں وغیرہ۔اِس کے ساتھ جنگ جوؤں، سپاہیوں، بادشاہوں، وزیروں، عورتوں، مردوں کی فطرت و خصائل کے کچھ پہلو بھی سامنے آتے ہیں۔ان سب باتوں کے علاوہ داستان میں چوں کہ تخیل کا معتد بہ حصہ ہوتا ہے اس لیے داستانِ امیر حمزہ کا بھی حقیقت سے واسطہ دور کا ہی ہے۔

اسی لیے بابر بادشاہ(۱۴۸۳۔۱۵۳۰ء)نے اس داستان کو ایک طویل اور ناقابل یقین جھوٹ "One long and for fetched lie" کہا تھا جو عقل و فطرت کے خلاف opposed to sense and nature ہے۔اگر اکبر بادشاہ(۱۵۴۲۔۱۶۰۵ء)اِس داستان سے لطف اندوز ہوا تو بہ وجہ کم سنی کہ چودہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور اُس نے اس داستان کے مقبول و معروف مسودات Illustrious Manuscript کو چودہ سالوں میں چودہ جلدوں میں مکمل کروایا۔مولف مرزا نواب امان علی خاں غالب لکھنوی فارسی کی انھی چودہ جلدوں کو چار جلدوں میں سمیٹنے کا ذکر کرتے ہیں۔

شمس الرحمن فاروقی، غالب لکھنوی ایڈیشن سے متعلق لکھتے ہیں ''جیسا کہ ہم جانتے ہیں غالب لکھنوی کا ترجمہ تقریباً ناپید ہے میرے پیش نظر ڈاکٹر پرچٹ کے دریافت کردہ نسخے کی فوٹو کاپی ہے۔اس کی کیفیت حسب ذیل ہے:

سرورق	ایک صفحہ
خاتم الطبع	ایک صفحہ
فہرست مطالب	تین صفحے
غلط نامہ	دو صفحے

خالی صفحہ	ایک
کتاب کے مجموعی صفحات	پانچ سو
اصل داستان کے صفحات	چار سو بانوے
سطریں فی صفحہ	اکیس
اوسط الفاظ فی سطر	پچیس
اصل داستان کے الفاظ ۲۵	۲۵۸۳۰۰ = ۴۹۲ x ۲۱ x ‘‘(۱۹)

اُردو میں تورام پور اور لکھنو کے داستان گویوں نے، اسے چھیالیس جلدوں پر پھیلا دیا جو بڑے سائز کے ۲۴۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔ دل چسپ اور حیران کن ہونے کے باوجود یہ داستان آج کے سائنسی اور زندگی کی پیچیدگیوں سے آشنا ذہن کے لیے زیادہ خوش کن ثابت نہیں ہوتی۔ قدیم دور کے پہلوانوں کی لڑائیوں، سامانِ جنگ وغیرہ کے یہ طریقے معلوماتی اور دل چسپ ہونے کے باوجود آج معانی نہیں رکھتے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(1) Michael Meyer, The Bedfors introduction to Literature, Bedford: st Martin, 2005, 2128, ISBN O-321-412428.

(۲) نواب مرزا امان علی خاں غالب لکھنوی، داستانِ امیر حمزہ (کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس)، ۳۳۵۔

(3) www,britanica.com./E B checked / topic / 189625 / epic (Article written by Atsuhiko yoshida).

(۴) شمس الرحمان فاروقی، ساحری، شاہی، صاحب قرآنی، داستان امیر حمزہ کا مطالعہ (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۶ء (جلد سوم) ایڈیشن اول)، ۱۳۔۱۴۔

(۵) نواب مرزا امان علی خاں غالب لکھنوی، داستانِ امیر حمزہ (کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس)، ۵۶۔

(۶) ایضاً، ۴۹۔

(۷)ایضاً،۸۸۔

(۸) ایضا،۹۲۔

(۹) ایضا،۴۵۸۔

(۱۰) ایضا،۴۶۳۔

(۱۱) ایضا،۳۸۔

(۱۲) ایضا،۱۸۰۔

(۱۳) ایضا،۴۳۶۔

(۱۴) ایضا،۱۶۵۔

(۱۵) ایضا،۳

(۱۶) ایضا،۲۸۰۔

(۱۷) ایضا،۶۷۔

(۱۸) ایضا،۳۔

(۱۹) شمس الرحمان فاروقی,ساحری، شاہی، صاحب قرآنی،داستان امیر حمزہ کا مطالعہ۔۱۷۹۔

❖❖❖